ڈاکٹر محمد ریاض

سنائی اور حالی کی مماثلتِ فکر

حکیم ابو المجد مجدود آدم سنائی غزنوی (م ۵۲۵ھ) اور خواجہ الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴ء) کی تصانیف کا مطالعہ کریں تو اجتماعی حالات کے شعور اور معاصر معاشرے سے بھرپور اور تلخ انتقاد کے لحاظ سے ان کے ہاں عجیب مماثلت نظر آتی ہے۔ حالی نے عربی اور فارسی ادب کو خوب کھنگالا تھا۔ مرزا غالب کے مرثیے میں مثالاً انھوں نے جن فارسی شعرا کے نام لیے ان میں سنائی بھی شامل ہیں:

بات بگڑی رہی سہی، افسوس آج خاقانی و سنائی کی

گو اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ انھوں نے تصانیف سنائی کو بغور پڑھا تھا، مگر اس ثبوت کی ضرورت بھی نہیں۔ فارسی کے ادبِ تصوف و اخلاق میں سنائی معروف ہی نہیں، پیشرو بھی ہیں۔ حالی کو اخلاقیات سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ۱۸۸۲ء میں حکیم ناصر خسرو علوی (م ۴۸۱ھ) کا سفرنامہ مرتب کیا اور ایک متوسط ضخامت کے فارسی مقدمے کے ساتھ، جس میں ناصر خسرو کے حالاتِ زندگی شامل ہیں، اسے دہلی سے شائع کروایا تھا، اس وقت تک ناصر خسرو کا سفرنامہ کہیں بھی شائع نہ ہوا تھا۔ اخلاق سے ان کی دلچسپی نے اسی پر اکتفا نہ کیا اور چار سال بعد ۱۸۸۶ء میں انھوں نے "حیاتِ سعدی" نام کی کتاب تالیف کی جس میں شیخ سعدی کے حالاتِ زندگی اور ان کی اخلاق آموز تصانیف پر نقد و تبصرہ ہے۔ بہرحال قرائن سے واضح ہے کہ حالی نے تصانیفِ سنائی کا مطالعہ کیا ہوگا اور کیا عجب کہ ان کا اثر بھی قبول کیا ہو۔ تصانیفِ سنائی ایک دیوان اور چھ مثنویوں پر مشتمل ہیں۔

حکیم سنائی سلطان مسعود بن ابراہیم غزنوی (۴۹۲ - ۵۰۸ھ) کے دربار سے وابستہ رہے۔ اس کے والد ابراہیم غزنوی کی شان میں بھی ان کے قصائد ملتے ہیں۔ بعد میں کچھ عرصہ وہ سلطان بہرام غزنوی (۵۱۱ - ۵۵۲ھ) سے بھی منسلک رہے مگر جلد ہی انھوں نے ترکِ دربار کر دیا۔ وہ سیرو

سلوک کی طرف متوجہ ہوتے اور حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ صوفیانہ شاعری میں رومی کے پیش روؤں میں ایک وہ ہیں اور دوسرے شیخ عطار نیشاپوری (م ۶۱۸ھ)۔

حکیم سنائی کا تعلق غزنوی بادشاہوں کے پُرآشوب اور انحطاط پذیر عصر سے تھا۔ غوری اور سلجوقی قبائل نے غزنویوں کو پریشان کر رکھا تھا اور وہ بیشتر برصغیر کے اپنے مقبوضات میں پناہ لیے ہوتے تھے۔ سنائی کی وفات کو نصف صدی نہ گزری تھی کہ ۵۸۲ھ میں غوریوں کے ہاتھوں غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ خلافتِ عباسیہ بھی اس وقت ضعف و اضمحلال سے دوچار تھی۔ خلفائے عباسیہ کے فرامین کو اکثر مسلمان سلاطین قابلِ اعتنا نہ جانتے تھے اور پورا عالم بالعموم انتشار سے دوچار تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے شخصی حالات اور انفرادی کردار بھی دگرگوں ہو گئے تھے۔ سنائی کی تصانیف میں مختلف عنوانات کے تحت احوال زمانہ اور مسلمانوں کی بدحالی و بداخلاقی پر انتقادات ملتے ہیں۔

مولانا حالی کے عصر (۱۸۳۷ - ۱۹۱۴ء) کی پُرآشوبی واضح ہے۔ ان کے زمانے میں انگریزی عمل داری مستحکم ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کی بظاہر ناکام جنگِ آزادی کے بعد آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو معزول اور رنگون میں قید کر دیا گیا جہاں ۱۸۶۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔ انیسویں صدی کے آخری تقریباً ربع حصے میں سید احمد خان (۱۸۱۷ - ۱۸۹۸ء) کی عظیم تعلیمی اور اصلاحی تحریک جاری رہی۔ حالی اس تحریک سے معنوی طور پر منسلک تھے۔ ان کی مسدس مدوجزرِ اسلام (۱۸۷۹ء)، شکوۂ ہند (۱۸۸۸ء) اور علی گڑھ کالج میگزین نیز تہذیب الاخلاق میں شائع ہونے والے متعدد مضامین، تحریک سید احمد خان سے ان کی وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ حالی کو قومی مصنف اور شاعر کہا جاتا ہے جس سے ان کا وظیفۂ حیات واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی انھوں نے برصغیر بلکہ پورے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے مسائل پر توجہ کی اور بعض امور کے بارے میں نقد و احتساب، تبصرہ اور اظہارِ رائے کیا ہے۔ سنائی اور حالی کی اہم تر مشترک اقدار یہی ہیں کہ دونوں نے اپنے معاصر حالات پر غور و فکر کیا اور واضح طور پر اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ مگر اصل چیز، جیسا کہ ابتدا میں ذکر ہوا، ان کے نقطۂ نظر کی مطابقت اور مماثلت ہے۔ سنائی نے کئی امور بزبانِ فارسی اس طرح بیان فرمائے تھے جس طرح حالی نے انھیں اُردو میں بیان کیا ہے۔ ہم یہاں دونوں کی شاعری کے ایک حصے

کی مماثلت کا ذکر کر رہے ہیں، گو حالی کی منثور کتابوں میں بھی سنائی سے مماثل باتیں موجود ہیں۔

مسلمانوں کی حالتِ زار

سنائی نے اپنے دیوان میں کئی جگہ معاصر مسلمانوں کی بدحالی اور بداخلاقی پر زور دار انداز میں انتقاد کیا ہے۔ ان کے ایک مشہور قصیدے کے بعض اشعار یوں ہیں اور ان میں جہاں وہ حقیقی اسلام کو جملہ امراض و علل کا دافع بتاتے ہیں، وہاں وہ اکثر معاصر مسلمانوں کے دعوئ اسلام کو خاطر میں نہیں لاتے،

مسلماناں مسلماناں، مسلمانی مسلمانی — ازیں آئینِ بیدیناں، پشیمانی پشیمانی
مسلمانی کنوں اسمیت برعرفی و نادانی — دریغا کو مسلمانی، دریغا کو مسلمانی
جہاں یکسر ہمہ پر دیو و پر غول اند و امت را — کہ یارد جز اسلام و جز سنت نگہبانی

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سنائی دینِ اسلام کو مسلمانوں کی بداعمالی کی وجہ سے "آئینِ بے دیناں" قرار دے رہے ہیں۔ ایک شہر آشوب نما قطعے کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ یہاں وہ صوفیوں اور زاہدوں کی بداعمالی اور بدسیرتی کا شکوہ کر رہے ہیں:

مردِ ہشیار دریں عہد کم است — ور کسے ہست بہ دینِ متہم است
از یکے در نگری تا بہزار — ہمہ را عشق درام و درم است
صوفیاں را ز پے راندنِ کام — قبلۂ شاں، شاہد و شمع و شکم است
زاہداں را از برائے زہ و زر — قل ہو اللہ احد و دم است

اس قبیل کے انتقادات حالی کے ہاں بھی نظر آتے ہیں مگر انھیں نقل کرنے سے قبل سنائی کا دردِ دل مزید دیکھ لیں۔ اپنے ایک قصیدے کو سنائی نے شہر پُر آشوب کا رنگ دیا اور مسلمان معاشرے کے کئی طبقات جیسے علما، فلسفیوں، امیروں اور شاعروں کو ان کی بدعملی اور بدعتوں پر متنبہ کیا ہے۔

اے مسلماناں، خلائق حالِ دیگر کردہ اند — از سر بیحرمتی، معروف منکر کردہ اند
کار و جاہِ سروران شرع در پائے اوفتاد — زانکہ اہلِ فسق از ہر گوشہ سر برکردہ اند
شرع را یکسر نہاد ستند اندر خیر و شر — قولِ بطلیموس و جالینوس باور کردہ اند
گاہ وصافے برائے وقف و ادرارِ عمل — با عمرؓ در عدل ظالم را برابر کردہ اند

مال دارانِ توانگر کیسۂ درویش دل — در جفا درویش را از غم توانگر کردہ اند
سر ز کبر و بخل بر گردونِ اخضر بردہ اند — مالِ خود بر سائلاں کبریتِ احمر کردہ اند
زیں یکے مشت کبوتر باز چوں شاہیں ظلم — عالمے بر خلق چوں چشمِ کبوتر کردہ اند
شاعرانِ شہر ہا از بہر فرزند و کمال — شخصِ خود را ہمچو کلکے زرد و لاغر کردہ اند
خرقہ پوشانِ مزوّر سیرتِ سالوس درز — خویشتن را سخرۂ قیماز و قیصر کردہ اند
گاہِ خلوت صوفیانِ وقت باموے چو شیر — وردِ خود ذکرِ برنج و سیر و شکّر کردہ اند
از برائے حرصِ سیم و طمع در مالِ یتیم — حاکماں، حکمِ شریعت را مبتّر کردہ اند
مصحفِ یزداں دریں ایام کس می ننگرد — چنگ و بربط را بہا اکنوں فزونتر کردہ اند
خونِ چشمِ بیوگان است آنکہ در وقتِ صبوح — مہترانِ دولت اندر جام و ساغر کردہ اند

سنائی کے جس قصیدے کے اشعار ہم نے نقل کیے، اس کا عنوان "در انقلابِ حالِ مردمان و تغییرِ دورِ زمان" (یعنی لوگوں کے حالات اور زمانے کی رو کی تبدیلی کے بارے میں) ہے اور جیساکہ اشعار سے واضح ہے، سنائی کے انتقادات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

۱۔ مسلمانوں نے احکامِ شریعت کی پروا نہ کرتے ہوئے پسندیدہ کاموں (معروف) کو غیر پسندیدہ اور ممنوع کاموں (منکر) کی طرح ترک کر رکھا ہے۔ شرعی امور پر فلسفیانہ افکار قابلِ ترجیح ہو رہے ہیں۔

۲۔ امرا سنگ دل ہو کر یتیموں اور بیواؤں کی مدد و اعانت سے غافل ہی نہیں، ان کے آزار کے بھی درپے نظر آتے ہیں۔ شاعر مبالغہ آمیز توصیفات و تعریفات کے ذریعے اپنی آبرو خاک میں ملا رہے ہیں۔

اس سے قبل معاصر علما اور صوفیا پر انتقاد کے بارے میں اشعار نقل ہو چکے۔ ان اشعار کے سیاق و سباق کی خاطر دیوان حکیم سنائی غزنوی مرتبہ پروفیسر مدرس رضوی تہران ۱۹۵۱ کے مندرجہ ذیل صفحات بالترتیب دیکھے جا سکتے ہیں: ۵۰۷، ۵۰۸، ۷۵ اور ۱۳۸ تا ۱۴۰۔ اب ان امور کو اسی رنگ اور ترتیب میں "مسدس حالی" میں ملاحظہ فرمائیں۔ صفحات "مسدس حالی" مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ (لاہور) کے ہیں جو کئی بار شائع ہوتی رہی ہے۔

حامیانِ فلسفہ

وہ تقویمِ پارینہ یونانیوں کی — وہ حکمت کہ ہے ایک دھوکے کی ٹٹّی

یقیں جس کو ٹھہرا چکا ہے نکمّی
عمل نے جسے کر دیا آ کے ردّی

اسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ
کوئی بات اس میں نہیں کم زیادہ (ص ۶۷)

اب اس فلسفے پر جو ہیں مرنے والے
شفا اور مجسطی کے دم بھرنے والے

ارسطو کی چوکھٹ پہ سر دھرنے والے
فلاطون کی اقتدا کرنے والے

وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں
پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں (ص ۶۸)

علمائے سو

وہ علمِ شریعت کے ماہر کدھر ہیں
وہ اخبارِ دین کے مبصر کدھر ہیں

اصولی کدھر ہیں، مناظر کدھر ہیں
محدّث کہاں ہیں، مفسّر کدھر ہیں

وہ مجلس جو کل سر بسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں (ص ۵۴)

مدارس وہ تعلیمِ دیں کے کہاں ہیں
مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں

وہ ارکان، شرعِ متیں کے کہاں ہیں
وہ وارثِ رسولِ امیّں کے کہاں ہیں

رہا کوئی امت کا ملجا نہ ماویٰ سے
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ مُلّا (ص ۵۵)

صوفیا اور پیر

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر
نہیں ذاتِ والا میں کچھ جن کے جوہر

بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر
کہ تھے ان کے اسلاف مقبولِ داور

کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے (ص ۵۵)

یہ ہیں جادہ پیمائے راہِ طریقت
مقام ان کا ہے ماورائے شریعت

انھیں پر ہے ختم آج کشف و کرامت
انھیں کے ہے قبضہ میں بندوں کی قسمت

یہی ہیں مراد اور یہیں ہیں مرید اب
یہی ہیں جنید اور یہی بایزید اب (ص ۵۶)

سدا اہلِ تحقیق سے دل میں بل ہے
حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے

فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے
ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبیؐ سے نہیں کام باقی (ص ۵۸)

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں
ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں

رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں
وہ بدلا گیا آ کے ہندوستاں میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں (ص ۵۹)

امرائے سنگ دل اور عیاش

امیروں کا عالم نہ پوچھو کہ کیا ہے
خمیر ان کا اور ان کی طینت جدا ہے
سزاوار ہے ان کو جو نا سزا ہے
روا ہے انھیں سب کہ جو نا روا ہے
شریعت ہوئی ہے نکو نام ان سے
بہت فخر کرتا ہے اسلام ان سے (ص ۴۸)
سمجھتے ہیں سب عیب جن عادتوں کو
بہائم سے نسبت ہے جن سیرتوں کو
چھپاتے ہیں اوباش جن خصلتوں کو
نہیں کرتے اجلاف جن حرکتوں کو
وہ یاں اہلِ دولت کو ہیں شیرِ مادر
نہ خوفِ خدا ہے نہ شرمِ پیمبر (ص ۴۹)
کسی قوم کا جب الٹتا ہے دفتر
تو ہوتے ہیں مسخ ان میں پہلے تونگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر
نہ عقل ان کی ہادی نہ دین ان کا رہبر
نہ دنیا میں ذلت نہ عزت کی پروا
نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا (ص ۵۰)
یہ ہو سکتے ہیں ان کے ہم جنس کیونکر
نہیں چین جن کو زمانے سے دم بھر
سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر
نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی (ص ۵۱)
غنی ہم میں ہیں اربابِ ہمت
مسلّم ہے عالم میں جن کی سخاوت
اگر ہے مشائخ سے ان کو عقیدت
تو ہے پیرزادوں پہ وقف ان کی دولت
نکمے ہیں دن رات واں عیش کرتے
یہ نوکر ہیں جتنے وہ بھوکے ہیں مرتے
عمل واعظوں کے اگر قول پر ہے
تو بخشش کی امید بے صرف زر ہے
نماز اور روزہ کی عادت اگر ہے
تو روزِ حساب اُن کو پھر کس کا ڈر ہے
اگر شہر میں کوئی مسجد بنا دی
تو فردوس میں نیو اپنی جما دی (ص ۵۲)

شعرا

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر
عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر

زمیں جس سے ہے زلزلہ میں برابر — مَلک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا — وہ علموں میں علمِ ادب ہے ہمارا (ص ۴۱)
بُرا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے — عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے — مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے — جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے (ص ۴۲)
عرب جو تھے دنیا میں اس فن کے بانی — نہ تھا کوئی آفاق میں جن کا ثانی
زمانہ نے جن کی فصاحت تھی مانی — مٹا دی عزیزوں نے ان کی نشانی
سب ان کے ہنر اور کمالات کھو کر — رہے شاعری کو بھی آخر ڈبو کر (ص ۴۲)
خلف ان کے یاں جو کہ جادو بیاں ہیں — فصاحت میں مقبول پیر و جواں ہیں
بلاغت میں مشہورِ ہندوستاں ہیں — وہ کچھ ہیں تو لے دے کے اس گوں کے یاں ہیں
کہ جب شعر میں عمر ساری گنوائیں — تو بھانڈ ان کی غزلیں مجالس میں گائیں (ص ۴۳)
اگر شش جہت میں کوئی دل رُبا ہے — تو دل کا نادیدہ اس پہ فدا ہے
اگر خواب میں کچھ نظر آگیا ہے — تو یاد اس کی دن رات نامِ خدا ہے
بھری سب کی وحشت سے روداد ہے یاں — جسے دیکھیے قیس و فرہاد ہے یاں (ص ۴۵)

مسلمانوں کی غربت اور بدحالی

فلاکت جسے کہیے اُمّ الجرائم — نہیں رہتے ایماں پہ دل جس سے قائم
بناتی ہے انساں کو جو بہائم — مصلّی ہیں دل جمع جس سے نہ صائم
وہ یوں اہلِ اسلام پر چھا رہی ہے — کہ مسلم کی گویا نشانی یہی ہے (ص ۴۴)
بہت آپ کو کہہ کے مسجد کے بانی — بہت بن کے خود سیدِ خاندانی
بہت سیکھ کر نوحہ و سوز خوانی — بہت مدح میں کر کے رنگیں بیانی
بہت آشناؤں کے خدام بن کر — پڑے مانگتے کھاتے پھرتے ہیں دردر
مشقت کو محنت کو جو عار سمجھیں — ہنر اور پیشہ کو جو خوار سمجھیں
تجارت کو کھیتی کو دشوار سمجھیں — فرنگی کے پیسے کو مردار سمجھیں

تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی　　وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی (ص ۴۷)

قارئین ان مختصر نمونوں سے بھی دیکھ سکتے ہیں کہ سنائی نے جو باتیں چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) میں کہی تھیں، مولانا حالی نے گزشتہ صدی کے آواخر میں اپنے عصر کے تقاضوں کے مطابق ذرا شرح و بسط اور صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ:

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال

یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ فارسی فہمی کی دشواریوں کے پیشِ نظر ہم نے مسدس حالی کے مقابلے میں دیوانِ سنائی کے اشعار کم نقل کیے ہیں۔

(بقیہ از صفحہ ۳۹)

قائم کیا اور موسیقی کا ایک خاص ساز بھی ایجاد کیا اور تیسرے ابن سینا جو موسیقی میں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے ماہر تھا۔ اس نے ہم آہنگی (ہارمونی) کی اوّلین صورتیں بیان کیں اور اس کے ساتھ ساتھ مقداری موسیقی پر بھی روشنی ڈالی۔ اپنے نظریات میں وہ الفارابی کا پیرو تھا۔

برق اور مقناطیسیت کے باب میں ہمیں الکندی، ابن سینا، ابن رُشد، ابن باجہ وغیرہ نظر آتے ہیں۔ ان میں سے الکندی اور ابن سینا اہم ہیں۔ الکندی نے بجلی کی کڑک اور چمک کے اسباب کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے نزدیک ایسا بادلوں کی باہم رگڑ سے ہوتا ہے۔ ابن سینا نے اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ برق اور گرج بیک وقت پیدا ہوتے ہیں لیکن برق کی چمک کو ہم پہلے اس لیے دیکھ لیتے ہیں کہ آواز کے مقابلے میں روشنی کی رفتار خاصی تیز ہوتی ہے۔

مختصراً یہ کہ طبیعیات کے میدان میں مسلمانوں نے قابلِ قدر کام کیا اور اس میں خاطر خواہ اضافے کیے ـــــ مثلاً حرکت کے باب میں ابنِ سینا کا نظریہ، کششِ ثقل کے باب میں رازی اور ابنِ مسکویہ کی تصریحات، کثافتِ اضافی کے ضمن میں سند بن علی اور البیرونی کی معلومات، البیرونی اور ابنِ سینا کا نظریۂ خلا، مادے کے خواص میں رازی کا نظریۂ جوہر، بصریات میں ابنِ سینا کا نظریۂ امواج و رفتارِ نور، ابن الہیثم کے قوانین اور ابن رُشد و خیرازی کی تحقیقات، آواز کے ضمن میں مسلمانوں کا علمِ موسیقی وغیرہ ایسے ٹھوس اضافے ہیں، جن کی مستند مورخوں اور تاریخ سائنس کے ماہرین نے تصدیق کی ہے اور جو طبیعیات کی تاریخ میں اہم اور بنیادی مقام رکھتے ہیں۔ یہی چیز مسلمانوں کے اس دور کو ممتاز کرتی ہے۔